زکوۃ کے دو اہم مسئلے

فقہ اسلامی کی روشنی میں

مفتی راشد حسین ندوی

زکوۃ اسلام کے بنیادی ارکان میں سے ایک ہے، نبی کریم ﷺ نے حدیث مشہور میں جن پانچ چیزوں کو اسلام کی بنیاد اور اصل قرار دیا ہے ان میں زکوۃ کا بھی نام لیا ہے، قرآن مجید میں نماز کے ساتھ ساتھ زکوۃ کا ذکر بار بار آیا ہے، بلکہ ایک حدیث میں تو ادائیگی نہ کرنے والوں سے قتال کے حکم کا بھی ذکر آیا ہے۔

کتاب وسنت میں زکوۃ سے متعلق تفصیلات وارد ہوئی ہیں، حدیث شریف میں ارشاد ہے کہ ''زکوۃ مالداروں سے بھی لی جائے گی اور ناداروں پر خرچ کی جائے گی''۔ قرآن مجید میں مصارف زکوۃ کا ذکر پوری تفصیل سے کیا گیا ہے۔

اغنیاء کون ہیں؟۔ احادیث میں اغنیاء یعنی ان لوگوں کا ذکر بھی کیا گیا ہے جن پر زکوۃ فرض ہوتی ہے، چنانچہ اونٹ، گائے، بکری اور چاندی وغیرہ کی جس مقدار کا مالک ہونے سے زکوۃ فرض ہوتی ہے اس کی بھی تفصیلات مل جاتی ہیں، البتہ سونے کی کتنی مقدار کا مالک ہو تو زکوۃ واجب ہوگی؟ اس سوال کے بارے میں احادیث میں اتنے قوی دلائل موجود نہیں ہیں جتنے اوپر مذکور چیزوں کے متعلق ہیں، اسی وجہ سے بقول صاحب بدایۃ المجتہد سونے کے نصاب کے بارے میں کچھ اختلاف بھی ہے اگرچہ جمہور علماء کے نزدیک اس کا نصاب ۲۰ دینار یعنی ساڑھے سات تولہ سونے کا مالک ہونا ہے۔

تجارتی سامان پر زکوۃ: جمہور فقہاء کے نزدیک تجارتی سامان اگر سونے یا چاندی کے نصاب تک پہنچ جائے تو دوسری شرائط (مثلاً سال پورا ہونے وغیرہ) کے پائے جانے پر اس میں بھی زکوۃ واجب ہوگی، جبکہ اہل ظاہر کے نزدیک اموال تجارت میں زکوۃ ہے ہی نہیں، دلائل کے اعتبار سے جمہور کا مسلک ہی راجح ہے، اس لیے کہ کئی احادیث میں سامان تجارت میں زکوۃ کے واجب ہونے کی تصریح کی گئی ہے، مثلاً:

۱- ابو داؤد اور بیہقی میں حضرت سمرہ ابن جندبؓ سے روایت ہے، فرمایا: امابعد! نبی کریم ﷺ ہمیں حکم دیا کرتے تھے کہ ہم اس سامان کی زکوۃ نکالیں جسے ہم نے بیچ کے لیے تیار کر رکھا ہو۔

۲- ایک حدیث میں ہے، اونٹوں میں ان کی زکوۃ ہوگی (آگے ہے) اور کپڑوں میں ان کی زکوۃ ہوگی۔

۳- دار قطنی اور بیہقی وغیرہ میں حضرت حماس سے مروی ہے، فرماتے ہیں: میں چمڑے اور ترکش فروخت کیا کرتا تھا، میرے پاس سے حضرت عمرؓ کا گزر ہوا تو آپؓ نے فرمایا: اپنے مال کی زکوۃ ادا کرو۔ میں نے عرض کیا: امیر المومنین! یہ تو چمڑا ہے۔ فرمایا: اس کی قیمت لگاؤ پھر اس کی زکوۃ ادا کرو۔

سامان تجارت میں زکوۃ کا نصاب: پھر جمہور کے درمیان اگرچہ اس میں اتفاق ہے کہ تجارتی سامان میں زکوۃ فرض ہے، لیکن اس کے نصاب کے متعلق ان کے درمیان کچھ اختلاف ہے، امام شافعیؒ کے نزدیک اگر درہم سے خریدا تو چاندی کے نصاب کا اعتبار ہوگا، اور اگر دینار سے خریدا تو سونے کا نصاب معتبر ہوگا، جبکہ احناف کے نزدیک مفتی بہ قول کے مطابق اگر سونے سے قیمت لگاتے ہوئے نصاب تک پہنچ جائے تو اس کا اعتبار ہوگا، اور اگر چاندی کے اعتبار سے نصاب تک پہنچ جائے تو اس کا اعتبار ہوگا اور بہر صورت چالیسواں حصہ نکالنا واجب ہوگا، یعنی بالفاظ دیگر احناف کے یہاں دیکھا یہ جاتا ہے کہ فقراء کا فائدہ کس چیز سے قیمت لگانے میں ہوگا، کچھ فرق کے ساتھ یہی مسلک حنابلہ کا بھی ہے۔

بعض حلقوں کی طرف سے یہ آواز اٹھائی جاتی ہے کہ موجودہ دور میں تجارتی سامان پر زکوۃ کو سونے کے نصاب سے جوڑ دینا چاہیے، اس لیے کہ جس وقت یہ نصاب مقرر کیا گیا تھا، اس وقت سونا اور چاندی کی مالیت تقریباً یکساں تھی، لیکن آج دونوں کی قیمتوں میں آسمان زمین کا فرق ہو گیا ہے، اور پندرہ ہزار کی مالیت رکھنے والا صاحب نصاب بن جاتا ہے، جبکہ اتنی مالیت کی موجودہ دور میں کوئی حیثیت نہیں بچی ہے، لیکن اوپر جو تفصیلات نقل کی گئی ہیں اس سے واضح ہو گیا ہوگا کہ ایسا کرنا درست نہیں ہو سکتا، اس لیے کہ نصوص میں چاندی کا نصاب زیادہ صحیح احادیث سے ثابت ہے اور جن نصوص میں تجارتی سامان میں زکوۃ واجب ہونے کا ذکر کیا گیا ہے ان میں کسی مخصوص نصاب کا ذکر نہیں ہے، لہٰذا صاف طور سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ چاندی یا سونا میں سے جس کی نصاب کو بھی پہنچ جائے زکوۃ نکالنے کا حکم دیا جا رہا ہے، لہٰذا مفتیٰ بہ قول کو ترک کرنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی، ورنہ آئندہ کوئی یہ بھی کہے گا کہ ساڑھے باون تولہ چاندی رکھنے والے پر بھی زکوۃ نہ ہونا چاہیے، اس لیے کہ موجودہ دور میں اتنی مالیت کی کوئی حیثیت نہیں رہ گئی ہے، جبکہ اہل علم بخوبی واقف ہیں کہ صحیح احادیث میں چاندی کے نصاب کی صراحت کے سبب اس کی گنجائش کسی صورت میں بھی نہیں ہو سکتی ہے۔

سونے اور چاندی کو ضم کرنا: اگر کسی کے پاس ساڑھے سات تولہ (۶۱۲/۴۸۰ گرام) سونا نہ ہو، لیکن اس کے پاس کچھ سونا اور کچھ چاندی موجود ہو تو کیا اس کے اوپر زکوۃ واجب ہو جائے گی؟ اس مسئلہ میں دو آراء ہیں:

۱- امام شافعیؒ اور بعض دوسرے حضرات کے نزدیک اس پر زکوۃ واجب نہیں ہوگی، اپنی معرکہ الآراء تصنیف ''الأم'' میں اس پر امام شافعیؒ نے

http://www.abulhasanalinadwi.com

یہ استدلال کیا ہے کہ اس کے پاس نہ سونے کا نصاب ہے نہ چاندی کا تو اس پر زکوۃ کیسے واجب ہوسکتی ہے جبکہ دونوں الگ الگ جنس ہیں۔

۲- دوسری رائے احناف اور بعض دوسرے حضرات کہ ہے کہ اگر دونوں کے ملانے سے نصاب پورا ہوجائے تو زکوۃ واجب ہوجائے گی، اس پر استدلال بکیر ابن عبداللہ الاشج کے اثر سے ہے کہ زکوۃ نکالنے میں صحابہ کا طریقہ چاندی اور سونے کے ملانے کا تھا، پھر دونوں باعتبار ثمنیت ایک ہی جنس ہیں۔

بہر حال عقلی دلائل دونوں طرف سے مضبوط ہیں لیکن نقلی دلیل میں اس اعتبار سے فریق اول کا موقف کچھ مضبوط قرار دیا جاتا ہے کہ حضرت بکیر کی روایت حدیث کی کتاب میں نہیں ملتی ہے؛ پھر امام ابوحنیفہؒ اور صاحبینؒ کے درمیان یہ اختلاف ہے کہ سونے اور چاندی کو ملانے کی کیفیت کیا ہوگی؟

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دونوں کو قیمت کے اعتبار سے ملایا جائے گا یعنی اگر کسی کے پاس دو تولہ سونا اور دو تولہ چاندی ہے تو یہ دیکھا جائے گا کہ دو تولہ سونا اگر بیچ دیا جائے تو کیا ساڑھے باون تولہ یا اس سے زیادہ چاندی حاصل ہوجائے گی، اگر اتنی مقدار میں چاندی حاصل ہوسکتی ہو تو وہ صاحب نصاب مانا جائے گا، فتوی امام صاحبؒ کے قول ہی پر ہے، جبکہ صاحبین کے نزدیک دونوں کو اجزاء کے اعتبار سے ملایا جائے گا، یعنی وزن کے اعتبار سے اگر آدھا نصاب سونے کا آدھا چاندی کا، یا دو تہائی سونے کا اور ایک تہائی چاندی کا یا ایک چوتھائی سونے کا اور تین چوتھائی چاندی کا پایا جارہا ہو تو زکوۃ واجب ہوجائے گی ورنہ نہیں۔

امام صاحب کے مفتی بہ قول کے مطابق اگر سونے چاندی کی معمولی مقدار بھی کسی کے پاس ہو تو وہ صاحب نصاب بن جائے گا، اور اس کے لیے زکوۃ لینا جائز نہیں رہے گا، حالانکہ اتنی معمولی مقدار بالکل معمولی لوگوں کے پاس بھی عام طور سے رہتی ہے، اس تناظر میں یہ سوال اٹھایا جاتا ہے کہ کیا موجودہ حالات میں صاحبین کے قول کو اختیار کیا جاسکتا ہے؟ اس لیے کہ صاحبین کا قول اختیار کرلیا جائے تو اس میں زکوۃ دینے والے اور لینے والے دونوں کا خیال ہوجائے گا اور توازن قائم رہے گا۔

راقم کے خیال میں ایسا کرنے کی گنجائش ہے، اس لیے کہ اس مسئلہ کا تعلق حالات کے بدلنے سے ہے، اور یہ بات متفقہ ہے کہ حالات بدل جائیں تو حکم بدل جاتا ہے، پھر یہ تو افتاء کے اصول میں بھی لکھا ہوا ہے کہ اختلاف اگر صاحبین اور امام صاحب کے درمیان ہو تو مجتہد مفتی ان میں سے کسی پر بھی فتوی دے سکتا ہے (لہٰذا اجتماعی اجتہاد کے اس دور میں علماء کا اتفاق ہوجائے تو اس کی گنجائش ہوگی) پھر امام صاحب کی ایک روایت صاحبین کے قول کے مطابق بھی ہے، لہٰذا امام صاحب کے اس قول کو استحباب پر محمول کرکے تطبیق دی جاسکتی ہے، چنانچہ مفتی کفایت اللہ صاحب نے کفایت المفتی میں اسی طرح تطبیق دی ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ سامان تجارت والے مسئلہ میں مفتی بہ حکم سے ہٹنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی، جبکہ دوسرے مسئلہ میں اگر علماء اتفاق کرلیں تو اس کی گنجائش ہے۔ **واللہ اعلم**

بقیہ: بے حیائی - ایک فیشن

اور آج چند انسانوں کی تفریح کے سامان کے علاوہ تمہاری کیا حیثیت ہے، اور خدا جانے یہ سلسلہ کہاں پر ختم ہو، کیونکہ جنسی خواہشات کی کوئی حد نہیں۔

بے حجابی کی تحریک چلانے والوں اور اس تحریک کو پانی دینے والیوں کے پاس کوئی معقول اور وزنی جواب نہ ملے گا، اس لیے کہ تجربات اور مشاہدات ان کے دعوؤں کی برملا تردید کررہے ہیں، یوں تو اگر حسن و قبح کا امتیاز ہی ختم ہوجائے اور شرم و حیا کا معیار ہی بدل جائے تو اس کا کوئی علاج نہیں۔

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

بقیہ: **غیبت**: معاشرہ کا ایک کمزور ترین پہلو

آپ ﷺ نے اس بات پر خفگی کا اظہار فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اے عائشہ تم نے ایسی بات کہی ہے کہ اگر اس کو سمندر کے پانی میں بھی ملا دیا جائے تو وہ بھی بدبودار ہوجائے۔

یہ روایت غیبت کی حقیقت اور اس کی سنگینی کا اندازہ لگانے کے لیے کافی ہے اور اس میں عبرت و نصیحت کا ایک نہایت اہم تر پہلو ہے، کاش ہمارے سامنے صرف یہی حدیث ہو تو ہم غیبت کے تصور سے بھی لرز جائیں اور ہمارے دل میں کبھی اس کا تصور بھی پیدا نہ ہو مگر افسوس کہ ہم جہاں اور بہت سے اجتماعی اہم معلومات کو نظر انداز کرکے زندگی بسر کرنے کے عادی ہوگئے ہیں، وہیں غیبت سے بھی ہم نے آنکھیں بند کرلی ہیں، اور اس کے انجام و عواقب سے بے خبر ہوکر ہم نے اس کو اپنی زندگی اور معاشرے کا ایک جزء لاینفک بنالیا۔

اسلامی معاشرے میں غیبت کرنا اور اس کا سننا دونوں حرام ہے، اگر کوئی شخص اس کا ارتکاب کرے تو دوسرے کو چاہیے کہ وہ اس کو متنبہ کردے اور اس کی تردید کرے اور اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کرے اور وہ اس میں کامیاب نہ ہوسکے تو احتجاجاً مجلس سے اٹھ جانا زیادہ بہتر اور مناسب ہے۔

علمائے اسلام نے خالص شرعی اور دینی مصالح میں جو بغیر غیبت کے ممکن نہ ہوں اس کی اجازت دی ہے جس کی تفصیل فقہ و حدیث کے کتابوں سے معلوم ہوسکتی ہے۔

بقیہ: **ماہ رمضان** قرآن کریم کی روشنی میں

قرآن کریم نے رمضان کی جو حقیقت اور حیثیت بتائی ہے اور آپ ﷺ نے اس کی جو مکمل تشریح فرمائی ہے وہ پوری امت کے نام ایک پیغام ہے، امت کے اجتماعی حالت کو ناپنے کا ایک معیار ہے، جو اس معیار پر پورا اترا وہی حقیقی روزہ دار ہے، ورنہ روزے جیسی عبادت کو بھی اگر ایک رسم کے طور پر انجام دیا جائے تو سمجھ لینا چاہیے کہ رسمیں صرف ایک ظاہری شکل و صورت رکھتی ہیں حقیقی انقلاب ان سے نہ کبھی پیدا ہوا ہے نہ ہوگا!!!

http://www.abulhasanalinadwi.com

رمضان کی برکات اور اس کے تقاضے

محمود حسن حسنی ندوی

رمضان مبارک کے تین عشرے، رحمت کے تین حصوں میں بٹے ہوئے ہیں، عشرۂ اول عشرۂ رحمت کے نام سے ہی معروف ہے، دوسرا عشرہ مغفرت کی سوغات لے کر آتا ہے اور تیسرا عشرہ آگ کے عذاب سے خلاصی کا ہے، جہنم سے نجات و دوزخ سے امان کا ہے، اللہ کی رحمت اس طرح اپنے بندوں پر نازل ہوتی ہے کہ بڑے سے بڑے پاپی کو ہدایت مل جاتی ہے، توبہ کی توفیق ہوتی ہے، ذکر و عبادت کا شوق ہوتا ہے، دن کے روزے کا انعام رات کو اللہ عزوجل کی طرف سے بے پایاں اجر و ثواب کی صورت میں ملتا ہے، پہلا انعام افطار کے وقت خود افطار کی صورت میں اور مزید افطار کے وقت دعا کی قبولیت کے انعام کے طور پر ملتا ہے، پھر جب بندہ اپنے رب کا شکر گزار ہو کر مزید عبادت اختیار کرتا ہے، شب بیداری، تراویح، تہجد اور ذکر و تلاوت اور تسبیح و مناجات میں وقت گزار کر اپنے رب کا مزید قرب حاصل کرتا ہے، تو اس رب کی خوشی اس کو طرح طرح سے حاصل ہوتی ہے، اور پھر استقامت سے دو عشرے گزارنے کے بعد جب تیسرا عشرہ آتا ہے تو جہنم سے خلاصی کے اس عشرہ کو صحیح طور پر وصول کرنے کی اس کو نہ صرف توفیق ملتی ہے، بلکہ اس کو آخری عشرہ میں زیادہ سے زیادہ عبادت کرنے، دعا و مناجات اور ذکر و تلاوت میں وقت گزارنے، لایعنی و فضول کاموں سے بچنے کی توفیق ملتی ہے، اور وہ رات اس کو میسر آجاتی ہے جسے افضل ترین رات کہا گیا ہے اور خود قرآن پاک نے اس رات کی تعریف کی ہے اور اسے خیر و برکت کی رات قرار دیا ہے، یہی وہ رات ہے جس میں قرآن پاک اتارا گیا اور قرآن پاک کی نسبت اس کا اعزاز بہت بڑھا دیا گیا اور یہ رات سراپا خیر و برکت بنا دی گئی ہے، قرآن پاک کی نسبت سے اس رات کو کہا گیا، "إنا انزلناه في ليلة مباركة" اور پھر ایک سورہ اس رات کے تعلق سے نازل کی گئی، اس کا نام ہی سورۃ القدر ہے، یہ سورہ شب قدر کی عظمت بیان کرتی ہے، اور اس سلسلہ میں اس کے لیے اچھوتا اسلوب اختیار کیا ہے، "و ما أدراك ما ليلة القدر، ليلة القدر خير من ألف شهر، تنزل الملائكة و الروح فيها بإذن ربهم من كل امر سلام هي حتىٰ مطلع الفجر" اس رات میں ملائکہ کا نزول اور اللہ سے تقرب حاصل کر رہے بندوں کے ساتھ ان کی ہم نشینی، ان سے ملاقات و مصافحہ اور سکینت کا عجیب عالم، نور کی عجیب فضا، دلوں میں رقت پیدا ہونا، لمحوں میں سالوں کی عبادت کا اجر پانا، سکنڈوں میں بڑے بڑے پاپوں کا معاف ہو جانا اور ایک شب میں وہ سب کچھ حاصل کر لینا جو دوسری قومیں اور امتیں سالہا سال میں حاصل کرنے سے قاصر ہیں۔

روزہ دار کے متعلق کہ اگر اس نے ایمان و احتساب کی روح کے ساتھ روزے رکھے یہ خوشخبری کم نہیں، "من صام رمضان ايماناً و احتساباً غفرله ما تقدم من ذنبه" اور پھر روزے کے انعام میں یہ صورت عطا کی اس کی قدر کرنے والے کو خوشخبری دی: "من قام ليلة القدر ايماناً و احتساباً غفرلهٗ ما تقدم من ذنبه" ، اس طرح ایک دوسری جگہ آتا ہے، "من قام رمضان ايماناً و احتساباً غفرله ما تقدم من ذنبه" قائم اللیل اور صائم النہار بن کر بندہ اپنے رب سے جو قرب و ولایت حاصل کرتا ہے اس یکسوئی، خشوع و خضوع، اور للّٰہیت پیدا کرنے کے لیے اعتکاف کا عمل بڑا مؤثر ہے، کہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر اپنے رب کے در پر پڑ گیا، اب کہیں نہیں جانا ہے اور یہیں سے اپنے رب کو منا کر جانا ہے، لیکن جسمانی اعتکاف اس وقت تک پورا نہیں ہو سکتا ہے جب تک اس کا ذہنی اعتکاف بھی نہ ہو، حضرت مولانا سید ابو الحسن علی حسنی ندویؒ نے اعتکاف کے اس باطنی پہلو کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہ بات ارشاد فرمائی تھی، اسی لیے معتکف خوشگوار خارجی لمحات اور ناخوشگوار باتوں کی فکر میں نہیں رہتا، اسی لیے اس کے لیے نماز جنازہ، عیادت مریض اور تقریبات میں شرکت وغیرہ نہیں ہے، بس اس کے لیے یکسو ہو کر اپنے رب کی رضا حاصل کرنے کے لیے اس کے در پر پڑ جانا ہے۔ حضرت مولانا سید ابو الحسن علی حسنی ندویؒ نے فرمایا تھا: ''اعتکاف دو قسم کا ہوتا ہے، اعتکاف جسمانی کہ حدود مسجد سے باہر قدم صرف ضرورت کے وقت ہی نکالا جائے اور وہ بھی ایسی ضرورت ہو کہ جس کے لیے مسجد سے باہر جانا ناگزیر ہو، ورنہ مسجد کے اندر ہی رہنا ہے، اور اعتکاف ذہنی کہ ادھر ادھر کی باتیں سوچنا کہ بعد میں یہ کرنا ہے، شادی میں یہ کرنا ہے، دنیا کی فکر وغیرہ یہ اعتکاف صحیح نہیں ہے، بس اپنے کو متوجہ إلی اللہ رکھنا ہے''۔ (روزنامچہ ۲۱ رمضان ۱۴۱۸ھ)

اعتکاف کے بڑے فائدے ہیں، اس کے طفیل ماہ خیر و برکت کی برکات بدرجہ اتم حاصل ہوتی ہیں، شب قدر کی صحیح قدر ہوتی ہے، لغو و لایعنی بات سے بڑی حد تک حفاظت ہوتی ہے، جس سے روزہ کا وزن خاصا بڑھ جاتا ہے اور یہی روزہ جو اس درجہ پہنچ جاتا ہے کہ جس کا بدلہ اللہ تعالیٰ غیر محدود طور پر فرماتے ہیں، تبریزی کی روایت ہے: "كل حسنة بعشر أمثالها إلىٰ سبع مأة ضعف و الصوم لي و أنا اجزي به" کہ ہر نیکی کا اجر و ثواب دس گنا سے سات سو گنا تک ہے اور روزہ میرے لیے اور میں ہی اس کا بدلہ دیتا ہوں۔

http://www.abulhasanalinadwi.com

دیکھا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ ہر چیز کا ایک سیزن ہوتا ہے، نیکیوں کا سیزن اور اجر وثواب کا موسم بہار یہ ماہ خیر و برکت رمضان کا مہینہ ہے، نیکیاں کرنے کے لیے اللہ کے نیک بندے کمر کس لیتے ہیں اور بھوک پیاس اور تکان وآرام کسی چیز کی پرواہ نہیں کرتے، بس لگ جاتے ہیں کہ کس طرح اپنے رب کو راضی کریں، اور کس طرح اس کے انعامات کی قدر کریں اور شکر بجالائیں، شکر گزاری پر مزید انعامات حاصل ہوتے ہیں، بالآخر جب شب عید ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کا ذوق وشوق، فکر وتڑپ دیکھتا تو شب عید کو لیلۃ الجائزہ (انعام کی رات) کے طور پر عطا فرما دیتا ہے، لیکن یہ انعام کی رات اس کو ہی فائدہ پہنچاتی ہے جسے رمضان کے روزے کے ساتھ اپنے اسلام کے روزے کی فکر رہی، اسلام میں جو چیزیں ممنوع تھیں اس سے بچتا رہا، اسلام کا روزہ پوری عمر اور عمر کے ہر ہر سال اور اس ہر سال کے ہر ماہ اور اس کے ہر ماہ کے ہر دن کا ہوتا ہے، اور رمضان کا روزہ اتنا طویل المیعاد نہیں، اور زمانی ومکانی طور پر اس سے چھوٹا روزہ، مولانا علی میاں ندویؒ نے بڑے پتہ کی بات فرمائی کہ چھوٹے روزے یعنی رمضان کے روزے کی پابندیاں سب کو معلوم اور اس کا سب کو خیال، لیکن بڑے روزے کا خیال بہت کم لوگوں کو ہے، حالانکہ رمضان کا روزہ مسلمانوں کو اسی بڑے روزے کے طفیل ملا، چھوٹے روزے کا افطار تو غروب شمس کے وقت ہوتا ہے، لیکن بڑے روزے کا افطار مرنے کے بعد جام کوثر سے ہوگا جسے سرور کائنات ﷺ پیش فرمارہے ہوں گے، رمضان کے روزے اسی بڑے روزے کی تمہید ہیں اور بڑے روزے کی تمرین ہیں، اس لیے رمضان کے ان روزے کا یہ پیغام ہے کہ وہ بڑا روزہ جو اسلام کا روزہ ہے متأثر نہ ہونے پائے، اس کی مکروہات اور مفسدات سے بچا جائے، جھوٹ، غیبت، رشوت، گالی گلوج، سود خوری، فضول خرچی، چوری، بے حیائی، دوسرے کی زمین جائداد پر قبضہ، تمام حرام کاموں اور ناجائز طور پر آمدنی سے بچنا ہوگا، رمضان کے روزے تقوی کی زندگی کا مطالبہ کرتے ہیں، جیسا کہ فرمایا بھی گیا ہے: "کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون"۔

عید کا دن خوشی کا دن ہے، اور شیطان کے لیے غمی کا، اس لیے مسلمان مسلمان ایک ماہ کے روزوں کے بعد جب افطار کرتے ہیں تو شیطان اور اس کی ذریت غم مناتی ہے۔ مسرت وخوشی میں سب کا مل جل کر مسرت و لطف کے مظاہرے کے ساتھ عیدگاہ جانا اللہ کو بہت پسند ہے پھر وہاں دوگانہ ادا کرنا بہترین شکرانہ ہے، اس شکر پر اللہ تعالی اپنے بندوں کو پھر بہت نوازتے ہیں، اور انعام کی رات کے بعد پھر انعام کا دن اللہ کی رضامندی کا کھلا مظہر ہوتا ہے، اسی لیے عیدگاہ آتے جاتے یہ کلمات کہے جاتے ہیں اور ایک ماہ کے تربیتی نظام سے گزرنے کی مومنانہ خوشی منائی جاتی ہے: اللہ اکبر، اللہ اکبر، لاالہ إلا اللہ، اللہ اکبر، اللہ اکبر، و للہ الحمد۔

بقیہ: رمضان المبارک-تجدید ایمان کا موسم

اور دو چیزیں ایسی ہیں جن سے تمہیں چھٹکارہ نہیں، وہ دو خصلتیں جن سے تم اپنے رب کو راضی کرو وہ کلمہ شہادت اور استغفار ہے اور دو چیز جن سے تم کو مفر نہیں وہ رحمت کی طلب اور جہنم سے پناہ مانگنا ہے جو اس میں کسی روزہ دار کو آسودہ کردے اللہ تعالی اس کو میرے حوض سے ایسا جام پلائیں گے کہ پھر وہ پیاسا نہ ہوگا یہاں تک کہ جنت میں داخل ہوجائے گا"۔

ایمان کی روشنی بڑھانے اور بیٹری چارج کرنے کا بہترین موقع رمضان مبارک کا مہینہ بھی ہے، یہ وہ مبارک مہینہ ہے کہ اس میں دل کی زمین نرم ہوجاتی ہے، اس میں ہل چلانا اور اس کو کاشت کے قابل بنانا آسان ہوجاتا ہے، شیاطین قید کردیے جاتے ہیں اور عمومی فضا آداب وبندگی کی بن جاتی ہے، اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اگر پورے مہینہ سال بھر کا انتظام کرلیا جائے تو اس سے اچھا شاید کوئی موقع نہ ملے، حدیث میں اس شخص کو بددعا دی گئی ہے جس کو رمضان مبارک کا مہینہ ملے اور وہ اپنی مغفرت کا سامان نہ کرسکے۔

بری عادتوں کو ختم کرنے کا بھی یہ بہترین موقع ہے، اس زمانہ میں نظام کی تبدیلی سے یہ اندرونی تبدیلیاں بھی قدرے آسان ہوجاتی ہیں، اگر پہلے ہی سے پورے عزم وارادہ کے ساتھ اس کا استعمال کیا جائے اور پورا مہینہ استقلال کے ساتھ گذارنے کی کوشش کی جائے تو کچھ بعید نہیں کہ یہ ایک بہترین انقلاب کا پیش خیمہ ثابت ہو۔ تاریخ سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ بہتوں کی زندگی کے لیے یہ ایک بہترین موڑ ثابت ہوا ہے، کتنوں کی کایا پلٹ گئی ہے لیکن اس کے لیے کچھ ارادے اور کچھ عمل کی ضرورت ہے، یقیناً اگر اس کے لیے کوشش کی جائے گی تو ایمان ویقین کی شمع فروزاں ہوگی اور ہماری ایک بہت بڑی کمی دور ہوگی، اور اس سے امت کو ایک نئی طاقت ملے گی۔

رمضان مبارک جس کے پاس اس حال میں آیا کہ وہ تیاری کرچکا ہو، اپنے دل ودماغ کی زمین کو اس نے کچرے سے پاک کرلیا ہو، ہر ایک کے حق کو ادا کرکے وہ پوری طرح اس کے استقبال کے لیے دیدہ ودل فرشِ راہ کیے ہوئے ہو، یقیناً اس کے لیے اس مبارک مہینہ کا ایک ایک دن ہی نہیں، بلکہ ایک ایک لمحہ رحمت ہے۔

جن حضرات نے پوری تیاری کے ساتھ مبارک مہینہ کا استقبال کیا، وہ اس کے ایک ایک لمحہ کو وصولیں اور اپنے دامن کو رحمت سے بھرلیں لیکن جو غفلت سے اب جاگے ان کے لیے بھی کچھ کرلینے کا موقع ہے، صبح کا بھولا شام کو گھر آجائے تو اس کو بھولا نہیں کہتے، ان کو تو ایک ایک لمحہ قیمتی سمجھنا چاہیے، تلاوت، ذکر ودعا، عزیزوں کے ساتھ اچھا سلوک اور غریبوں کی غم گساری واعانت اس مہینے کے بہترین کام ہیں، اس کے برخلاف غیبت، چغلی اور لایعنی چیزوں میں پڑنا اس مہینہ کی بہت بڑی ناقدری ہے اور خطرہ کی گھنٹی ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ مہینہ ناراض ہوکر جائے اور ہم بخشش سے بھی محروم ہوں!!

http://www.abulhasanalinadwi.com

یورپ میں بچوں میں پھیلتی ہوئی بے راہ روی

ذمہ دار کون؟

جعفر مسعود حسنی ندوی

یورپ و امریکہ میں بچوں میں تشدد کے بڑھتے واقعات اور جرائم کا بڑھتا گراف دیکھ کر بچوں کے نفسیاتی معالجین نے اپنی بے چینی اور تشویش کا اظہار کرنا شروع کر دیا ہے، بچوں کے نفسیاتی امراض کے ماہرین کا کہنا ہے کہ بچوں میں تشدد اور دہشت پسندی کے اس بڑھتے ہوئے رجحان کو روکنے کی ذمہ داری جتنی اسکول، حکومت اور نفسیاتی علاج کے مراکز پر عائد ہوتی ہے اس سے کہیں زیادہ اس کی ذمہ داری بچوں کے والدین پر عائد ہوتی ہے۔

ان حضرات نے امریکی ماؤں پر زور دیا ہے کہ وہ اپنی گھریلو ذمہ داریوں کو دوسری تمام خارجی ذمہ داریوں پر ترجیح دیں، کیوں کہ بچوں کے حالات کا جائزہ لینے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ ان میں تشدد کا یہ رجحان اس احساس کے نتیجہ میں پیدا ہو رہا ہے کہ ان کے گھر والے ان کے معاملات سے دلچسپی نہیں لیتے، اور ان کو اپنے والدین سے وہ محبت، شفقت اور پیار نہیں ملتا جس کی اس عمر میں انہیں سخت ضرورت رہتی ہے، چنانچہ ان کو ہر وقت یہ احساس رہتا ہے کہ اس بھری دنیا میں وہ تنہا ہیں، اپنے اس احساس کو دور کرنے کے لیے بعض وقت وہ ایسی حرکتیں کر جاتے ہیں جو ان کو جرائم کی دنیا تک پہنچا دیتی ہیں۔

یہ حقیقت اس وقت سامنے آئی جب امریکن پولیس نے صوبہ ٹکساس (Texas) کے ایک شہر Bartonville میں ایر پورٹ کے قریب ایک گڑھے کے اندر تین بچوں کی لاشیں پائیں، پولیس کا خیال ہے کہ ان بچوں کے قتل کے پیچھے بچوں ہی کا ہاتھ ہے، اس واقعہ سے ایک ہی دن قبل Saint Scholastica College کی سالانہ تقریب شراب کے نشہ میں چور طلبہ اور پولیس کے درمیان ٹکراؤ کی وجہ سے درہم برہم ہوگئی، تقریب میں موجود طلبہ نے ہر اس چیز کو اپنے غصہ کا نشانہ بنایا جو ان کے سامنے پڑی، انہوں نے فرنیچر کو برباد کیا، گاڑیوں میں آگ لگائی، دروازوں اور کھڑکیوں پر پتھر برسائے، اور دیکھتے ہی دیکھتے ایک تعلیمی ادارہ کے سالانہ جلسہ کو میدان جنگ میں تبدیل کر دیا۔

مغرب میں بچوں کے بگاڑ کی ذمہ داری اگر ایک طرف خاندان اور معاشرہ پر عائد ہوتی ہے تو دوسری طرف حکومت اور تعلیمی اداروں کو بھی اس سے بری نہیں قرار دیا جا سکتا، یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ والدین کو اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت پر جتنا وقت صرف کرنا چاہیے تھا دیگر مشغولیات کی بنا پر وہ اتنا وقت صرف نہیں کر سکے، اپنے آرام، اپنی راحت، اپنی تفریح، اپنی لذت، اپنی آزادی اور اپنی دلچسپیوں کے علاوہ انہوں نے کچھ سوچا نہیں، زیادہ سے زیادہ کمانے، بہتر سے بہتر زندگی گزارنے، اور خوب سے خوب تر حاصل کرنے کے علاوہ کوئی خیال ان کے دل میں آیا نہیں۔

لیکن والدین کی اس کوتاہی اور بچوں کی طرف سے اتنی لاپرواہی کے باوجود بھی بچوں کی بے راہ روی پر روک لگائی جا سکتی تھی، اور یہ روک لگ سکتی تھی تعلیم گاہوں کے ذریعہ، تعلیم گاہ وہ مقام ہے جہاں ماں باپ کی کوتاہیوں کی تلافی ہو سکتی ہے اور ان کی طرف سے رہ جانے والی کمیوں کو پورا کیا جا سکتا ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ وہ تعلیم گاہ صرف تعلیم گاہ نہ ہو، بلکہ تعلیم گاہ کے ساتھ ساتھ وہ ایک تربیت گاہ بھی ہو، لیکن افسوس کہ ہمارے مغربی ممالک اپنی تمام تر ترقیات کے باوجود اب تک تعلیم و تربیت کو یکجا کرنے میں ناکام رہے ہیں، وہاں تعلیم تو عام ہے لیکن تربیت کا بالکل ہی فقدان ہے۔ وہاں کے نصاب میں سب سے بڑی خامی یہ ہے کہ اس میں اخلاقی تعلیمات پر مشتمل کوئی مضمون شامل نہیں ہے، وہاں کے لوگوں میں جو اخلاق نظر آتے ہیں، ان کے چہروں پر جو مسکراہٹ نظر آتی ہے، مصافحہ میں جو تھوڑی بہت گرمی نظر آتی ہے، ویلکم اور خوشآمدید جیسے الفاظ ان کی زبان سے جو ادا ہوتے ہیں، اس کی بنیاد نہ انسانی ہے نہ اخلاقی بلکہ ان کی مسکراہٹ کے پیچھے ایک مقصد ہوتا ہے، ایک مصلحت ہوتی ہے، ایک مفاد ہوتا ہے، اور جیسے ہی وہ مصلحت دور ہوتی ہے اور مقصد پورا ہوتا ہے، ان کے چہروں سے مسکراہٹ اس طرح غائب ہو جاتی ہے جیسے گدھے کے سر سے سینگ، یہی وجہ ہے کہ وہاں آپ کو سیاسی مدبرین ملیں گے، فلکیات اور معاشیات کے ماہرین نظر آئیں گے، ارضیات اور ریاضیات سے دلچسپی لینے والے دکھائی دیں گے، سائنسی دنیا کے اہم ترین اشخاص آپ کو اپنی طرف متوجہ کریں گے، لیکن اصلاح و تربیت کے میدان میں کسی بھی قد آور شخصیت کا نظر آنا تو درکنار ایک مختصر سا بونا بھی نظر نہیں آئے گا۔

والدین اور تربیت گاہوں کے بعد بچوں کو بگاڑنے اور ان کو غلط راستہ پر ڈالنے میں نمبر آتا ہے یورپ میں رائج قوانین کا، انسان کی رہنمائی کے لیے خدا کے بنائے ہوئے قانون کو چھوڑ کر جب بھی خود ساختہ قوانین پر عمل کرنے کی کوشش کی جائے گی تو بگاڑ کے سوا انسان کے حصہ میں کچھ بھی نہیں آئے گا۔

ذرا غور کیجیے سات سال تک چھوٹ اور سات سے دس تک تنبیہ، اور دس کے بعد گرفت اور سختی کا جو قانون حدیث نبوی کے ذریعہ ہم کو ملا اس قانون کی جب بھی خلاف ورزی کی گئی تو اس کے بُرے نتائج سامنے آ کر

http://www.abulhasanalinadwi.com

رہے، آج یورپ میں بچوں کی بے راہ روی کی ایک بنیادی وجہ یہ ہے کہ بالغ ہونے سے پہلے نہ تو ان کو ٹوکا جاسکتا ہے، نہ ان کو تنبیہ کی سکتی ہے اور نہ ان پر کسی طرح کی کوئی سختی ہوسکتی ہے، جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ بلوغ کی عمر تک پہنچتے پہنچتے وہ اپنے اس بگاڑ میں اتنے پختہ ہوجاتے ہیں کہ بلوغت کے بعد پھر کوئی سزا ان کو راہ راست پر نہیں لا پاتی، جب بنیاد ہی غلط پڑی، دیوار ہی ٹیڑھی اٹھی اور مزید حماقت آپ نے یہ کی کہ اس ٹیڑھی دیوار پر چھت بھی ڈال دی تو آپ لاکھ موٹا پلاسٹر کرکے اس دیوار کے ٹیڑھے پن کو دور کرنے کی کوشش کریں، پلاسٹر اکھڑتا رہے گا اور دیوار کا عیب سامنے آتا رہے گا، سوائے اس کے کہ آپ وہ دیوار ہی گرا کر نئے سرے سے اس کی تعمیر کریں، تو یہ عمل آپ دیوار کے ساتھ تو کرسکتے ہیں، لیکن انسان کے ساتھ نہیں کرسکتے۔

مغرب کی ایک بڑی غلطی جس نے وہاں کے معاشرے کو تباہی کے دہانہ پر لا کھڑا کیا، وہ ہے مطلق آزادی، یورپ تعلیم وتربیت کو تو یکجا نہیں کرپاتا، لیکن مطلق آزادی، اور مطلق پابندی کو جمع کرکے اس نے اپنی حماقت کا ضرور ثبوت پیش کردیا۔

بات مضحکہ خیز سہی لیکن ہے، وہاں ہر شخص بالکل آزاد بھی ہے، اور بالکل پابند بھی، وہ پوری طرح آزاد ہے اپنے ذاتی معاملات میں، وہ چاہے تو بے لباس گھومے پھرے، کھلے عام اخلاق سوز حرکتیں کرے، سڑکوں اور چوراہوں پر بے حیائی کے مناظر پیش کرے، اور خلاف فطرت زندگی گزار کر معاشرہ کی قدروں کو پامال کرے، وہ کرسکتا ہے، کیوں کہ وہ اپنے نجی معاملات میں بالکل آزاد ہے، لیکن دوسری طرف وہ مطلق پابند ہے، دوسروں کے معاملات میں، دوسرا شخص کچھ بھی کرے اس کو چاہیے کہ وہ سب کچھ دیکھتا رہے، اندر اندر گھٹتا رہے، لیکن حرف شکایت زبان پر لانے کی کوشش نہ کرے، کیوں کہ وہ پابند ہے اور اس کو دوسرے کے معاملات میں دخل دینے کا کوئی اختیار نہیں۔

یورپ نے یقیناً ترقی کی اور انسان کی جسمانی راحت کے جو بھی ذرائع اس کے لیے ممکن ہوسکے وہ ذرائع اس نے حاصل کئے، اس نے انسان کو آسمان کی پلندیوں پر پہنچایا، سمندر کی گہرائیوں میں اتارا، جانوروں تک سے اس کو اس طرح مانوس کردیا کہ جانوروں کے بغیر اب اس کا جینا بھی محال ہو گیا، کتوں سے محبت کے ان کے واقعات پڑھیے تو آپ کو کتوں پر رشک آئے، کس محبت سے وہ ان کو چمٹاتے ہیں، نہلاتے ہیں، سہلاتے ہیں، دلار کرتے ہیں، اس کی ایک ایک ادا پر قربان ہوتے ہیں، اچھے سے اچھے نام رکھتے ہیں، اور بڑے پیار سے اس کو پکارتے ہیں، لیکن کتوں سے یہ محبت کرنے والے بچوں کے معاملے میں بالکل بے حس ثابت ہوئے ہیں، بچوں کو آیا کے حوالہ کرکے وہ اپنی ذمہ داریوں سے بالکل آزاد ہوجاتے ہیں، اور آیا کی بھی ذمہ داری صرف اتنی ہوتی ہے کے وہ ان بچوں کو وقت پر کھانا دیدے، اسکول جانے کے لیے ان کو تیار کردے، واپسی میں ان کے کپڑے بدل دے، اچھے کام پر شاباشی دینا اور برے کام پر تنبیہ کرنا یہ اس کے فرائض میں شامل نہیں، تو اب آپ ہی بتائیے کہ ایک ناسمجھ بچہ اچھے اور بُرے میں فرق کیسے کرپائے گا، اور اس کے ذہن اور دماغ میں اچھائی اور برائی کا تصور کیسے قائم ہوگا، افسوس کہ یورپ تعلیم کے معاملہ میں جتنا آگے جارہا ہے تربیت کے معاملہ میں اتنا ہی پیچھے جارہا ہے، مشرقی دنیا مغرب کی سنامی لہروں میں غوطہ کھانے کے باوجود اس معاملہ میں مغرب سے کچھ جداگانہ موقف رکھتی ہے، یہاں اگر کسی وجہ سے باپ اپنی ذمہ داری نہیں نبھا پارہا ہے تو چچا اور ماموں یہ ذمہ داری ادا کرکرتے ہیں، پڑوسی دیکھ بھال کرتے ہیں، محلّہ کے بڑے بوڑھے فکر کرتے ہیں، اسکول کے اساتذہ اس کی خبر رکھتے ہیں، اچھائیوں اور خوبیوں پر ستائش کرتے ہیں، خامیوں اور کمزوریوں پر سرزنش کرتے ہیں، لیکن یورپ میں نہ پڑوسی کا کوئی مطلب ہے، نہ محلّہ کا کوئی تصور ہے، اور نہ خاندان کے کوئی معنی ہیں، وہاں ہر شخص ذمہ داری اور جواب دہی سے آزاد ہے۔

اس سلسلہ میں یورپ کی رہنمائی صرف اسلام کرسکتا ہے اور حضور پاک ﷺ کی تعلیمات وہدایات کرسکتی ہیں، آپ کا بتایا ہوا یہ اصول "کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیتہ" (تم میں سے ہر شخص اپنے ماتحت کا نگہبان بھی ہے اور اس کا ذمہ دار اور جابدہ بھی۔) اگر اپنا لیا جائے تو تربیت اور نگرانی کا ایسا مربوط نظام خود بخود قائم ہوجائے جس کی دنیا کو اس وقت سخت ضرورت ہے۔

یہ ہیں وہ چند اسباب جن کی وجہ سے مغرب میں بگاڑ پھیلا اور بے راہ روی بڑھی ہے، اور یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہے گا جب تک کہ یورپ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ترقی کی منزلیں طے کرنے کی ہمت پیدا نہ کرے، لمبی مدت تک ترقی کی راہ پر گامزن رہنے کا یہی ایک راستہ ہے، حدیث شریف میں آتا ہے کہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح استرا بالوں کو مونڈ دیتا ہے، لیکن اگر کسی کے پاس نیکیاں نہ ہوں صرف ترقیاں ہوں تو مجھے یقین ہے کہ حسد ان کی ترقیوں کو اسی طرح کھا جائے گا جس طرح وہ نیکیوں کو کھا جاتا ہے، یورپ بھی نبی آخر الزماں ﷺ سے حسد کرنا چھوڑ دے تو شاید اس کی یہ ترقیاں باقی رہ جائیں ورنہ جو نسل اس کی اب آرہی ہے وہ اس کی ترقی کو تنزلی سے بدل دے گی۔

اب آیئے دوسروں کو چھوڑ کر کچھ دیر کے لیے اپنا جائزہ لیجیے، کیا ہمارے معاشرہ میں والدین اپنی ذمہ داری کو نبھا رہے ہیں؟ کیا ہمارے تعلیمی ادارے تربیتی پہلو کو نظر انداز نہیں کررہے ہیں؟ کیا خاندان کے بڑوں کو خاندان کے بچوں پر روک ٹوک کا کوئی اختیار رہ گیا ہے؟ کیا مطلق آزادی کا خوش کن نعرہ ہمارے دلوں میں گدگدی نہیں پیدا کررہا ہے؟ سماج کا وہ ڈر جو پہلے تھا کیا اب بھی وہ ہمارے دلوں میں باقی ہے؟ کیا خدائی قانون کی جگہ اپنے وضع کردہ قوانین نے نہیں لے رکھی ہے؟

افسوس کہ مغرب کی مادی ترقی سے متاثر ہونے کے نتیجہ اور اس کی نقالی میں دھیرے دھیرے یہ ساری خرابیاں ہمارے معاشرہ میں سرایت کرتی جارہی ہیں اور اگر فوری طور پر کوئی مؤثر کارروائی نہ کی گئی تو ہمارے بچوں کا مستقبل بھی محفوظ نہیں ہے!!

http://www.abulhasanalinadwi.com

موساد-اسرائیلی خفیہ ایجنسی

اور عراق میں اس کی سرگرمیاں

محمد نفیس خاں ندوی

موساد اسرائیل کی ایک خفیہ تنظیم ہے جس کا مقصد دنیا میں بھر میں فساد مچانا اور اسرائیل کے مفاد اور اس کے استحکام کی راہیں ہموار کرنا ہے، اس کو بہت ہی اعلی پیمانہ پر کنٹرول کیا جاتا ہے، عام طوع پر اس کی سرگرمیاں اتنی مخفی ہوتی ہیں کہ بڑے بڑے حادثے اس کے اشاروں پر ہوجاتے ہیں اور کسی کو بھنک تک نہیں لگتی، اس کا دائرۂ کار بہت ہی وسیع ہے، دنیا کے تقریباً سارے حساس اور ترقی پذیر ممالک میں اس کا نیٹ ورک کام کررہا ہے، مغرب اور اقوام متحدہ میں موجود کئی سابقہ کمیونسٹ ممالک میں موساد کے ایجنٹ متحرک ہیں، اس کا ہیڈ کوارٹر تل ابیب میں ہے۔

موساد کا قیام ۱۳۔دسمبر ۱۹۴۹ء کو "Central Institute for Coordination" (مرکزی ادارہ برائے اتحاد) کے نام سے ہوا تھا، اس کا بنیادی مقصد دنیا بھر سے یہودیوں کو اسرائیل میں آباد کرنا تھا، یکم اپریل ۱۹۵۱ء میں اس وقت کے اسرائیلی وزیر اعظم ڈیوڈ بین گورین (David Ben-Gurion) نے ایک خفیہ ایجنسی کے طور پر اس کی تجدید کی۔ اس کا کہنا تھا کہ اس تنظیم کے قیام کا مقصد یہ ہے کہ ہمیں معلوم ہوسکے کہ اسرائیل کے اردگرد کیا ہورہا ہے۔

بظاہر اسرائیلی مفادات کے تحفظ کے لیے بنائی گئی یہ تنظیم اس وقت دنیا بھر میں فساد برپا کرنے اور دہشت پھیلانے میں بنیادی کردار ادا کررہی ہے، اس تنظیم کے آٹھ ڈپارٹمنٹ ہیں، اگرچہ اس کی بہت ساری باتیں ابھی تک خفیہ ہیں، کولیکشن (Collections) ڈپارٹمنٹ اس کا اہم شعبہ ہے، جس کی ذمہ داری میں بیرون ممالک سرکاری دفاتر اور سفارت خانوں کی جاسوسی شامل ہے، دنیا بھر میں پھیلے جاسوس اسے کنٹرول کرتے ہیں۔

۱۹۸۰ء میں اس تنظیم کے اراکین کی تعداد ڈیڑھ ہزار سے دو ہزار تک تھی، مگر حالیہ دنوں کی رپورٹ کے مطابق اس کے خاص اراکین کی تعداد بیس ہزار (۲۰۰۰۰) سے متجاوز ہے، دنیا بھر میں موجود اس کے ایجنٹوں کی تعداد پینتیس ہزار (۳۵۰۰۰) سے زائد ہے، جن میں پندرہ ہزار غیر متحرک ہیں جن کو ضرورت پڑنے پر کال (Call) کیا جاتا ہے۔ ہمارا ملک ہندستان بھی اس کی سرگرمیوں کا اڈا ہے، لیکن اس وقت بحث عراق میں اس کی سرگرمیوں اور سازشوں سے ہے۔

عراق میں موساد کی بڑھتی ہوئی کارروائیاں کوئی نیا واقعہ نہیں ہے، اس کی سرگرمیاں اس وقت سے جاری ہیں جب سے بش انتظامیہ نے اس پر حملے کی سازش رچی تھی، عراق میں بڑھتی ہوئی خوں ریزی اور آئے دن کے پرتشدد واقعات کو عام طور پر القاعدہ یا لسانی وگروہی تصادم کا نام دے دیا جاتا ہے، لیکن حالیہ دنوں میں شواہد کی روشنی میں یہ بات ثابت ہوچکی ہے کہ ان کارروائیوں کے پیچھے موساد کا ہاتھ ہے، وہ کسی ایک گروہ کے خلاف پرتشدد کارروائیاں انجام دے کر دوسرے گروہ میں عداوت کی آگ بھڑکاتی ہے، تاکہ شیعہ سنی باہم دست وگریباں رہیں، اور عراق خانہ جنگی کی سنگین صورت حال سے ابھر نہ سکے۔ چنانچہ عراق میں جاری نسلی فسادات موساد کی طویل کوششوں کا نتیجہ ہے۔

موساد کا مقصد جہاں مزاحمتی تحریکوں کو بے اثر کرنا ہے وہیں اس کا اہم اور بنیادی مقصد عراق کو ٹکڑوں میں تقسیم کرنا بھی ہے، کیونکہ عراق کی تقسیم کے بغیر نیل سے فرات تک عظیم ''مملکت اسرائیل'' کا خواب پورا نہیں ہوسکتا، اس مقصد کے حصول کے لیے اسرائیل امریکہ کو پوری طرح استعمال کررہا ہے، چنانچہ عراق کی تقسیم سے متعلق قرداد بھی منظور کی جاچکی ہے جس کے مطابق ایک حصہ سنی طبقہ کا ہوگا، دوسرا شیعہ کا اور تیسرا کرد قبائل کو دیا جائے گا۔ اس کے علاوہ اسرائیل کا ایک اہم مقصد یہ بھی ہے کہ یہاں سے موساد کے اہل کاروں کے لیے عراقی سرحدوں میں قائم اپنے جاسوسی ٹھکانوں سے عرب ممالک کی جاسوسی کرنا آسان ہو، خاص کر اسرائیل کے دشمن ممالک شام، ایران، اور حزب اللہ کے خلاف جاسوسی کارروائیاں ممکن ہوں۔

عراق سے امریکی فوج کے انخلاء کے پیش نظر اسرائیل نے موساد کو اہم ذمہ داریاں سپرد کی ہیں، جس میں اہم ترین شیعہ سنی اختلافات کو ہوا دینا ہے۔ عراق میں جنگ کے دوران امریکی فوج کو اسلحہ کو فراہم کرنے کا کام موساد نے ہی انجام دیا تھا، یہ کام بغداد کے گرین زون میں قائم موساد کے اڈے سے کیا گیا، اس کے علاوہ موساد نے ہالینڈ کے شہر ایمسٹرڈیم میں پراپرٹی کا ایک بڑا ادارہ قائم ہے جس کی آڑ میں یہودی سرمایہ داروں نے عراق میں بڑی بڑی زمینیں خریدیں، تیل سے مالا مال اس ملک میں یہودیوں کے بڑی بڑی زمینیں خریدنے کو فلسطینی تاریخ کے مثل قرار دیا جاسکتا ہے۔

عراق میں اسرائیل کی سرگرمیاں آئے دن بڑھتی جارہی ہیں، اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس وقت عراق میں پچیس (۲۵) سے زائد اسرائیل کی فوجی واقتصادی کمپنیاں قائم ہیں، اس کے علاوہ دیگر شعبوں میں مختلف ناموں سے کام کرنے والی کمپنیوں کی تعداد بے شمار ہے، یہ ساری کمپنیاں موساد کے لیے ڈھال کا کام کررہی ہیں۔

موساد یہودی مقاصد کے لیے سرگرم ہے، اور یہ واضح رہے کہ یہودی صرف مسلمانوں کو ہی اپنا دشمن نہیں سمجھتے بلکہ وہ اپنے سامنے ہر کسی کو حقیر سمجھتے ہیں اور ہر وہ شخص ان کا دشمن ہے جس کے اندر انسانیت کی مسیحائی کا تھوڑا بھی جذبہ ہے، یا وہ اخلاقی قدروں کا حامل ہے، چاہے وہ مسلمان ہو یا پھر کوئی اور!

روزہ اللہ کی خوشی کے لیے رکھیے

''یہ بات بڑی آزمائش کی ہے، ساری دنیا کے لیے اور مسلمانوں کے لیے بھی بحیثیت انسان ہونے کے کہ عادت اور عبادت ان دونوں چیزوں میں اختلاط ہے، ان میں باہم تمیز نہیں ہو پاتی، تو اکثر ایسا ہوتا ہے کہ عبادت عادت بن جاتی ہے، اور اس میں استحضار نہیں ہوتا کہ ہم کس کے لیے کر رہے ہیں، یہاں تک کہ نمازیں بعض مرتبہ بالکل عادت بن جاتی ہیں، نماز پڑھنے کی عادت پڑ گئی، وقت ہوا تو مسجد گئے مگر کوئی استحضار نہیں کہ ہمارے ایک ایک قدم کا کیا ثواب مل رہا ہے اور کتنی دور جا رہے ہیں اور مسجد پہنچ رہے ہیں، پھر مسجد میں اس نیت سے پاؤں رکھیں اور کہیں: "اللّٰھم افتح لی أبواب رحمتك" اور خیال کریں کہ ہم اللہ تعالی کے گھر آ گئے، رحمت و برکت کی جگہ میں آ گئے، بس وہ جیسے ایک ڈھلی ہوئی چیز ہوتی ہے، اسی طرح مذہبی زندگی بھی ڈھل جاتی ہے کہ ہر چیز اپنی جگہ پر اپنے وقت پر ہوتی ہے لیکن شعور نہیں ہوتا، استحضار نہیں ہوتا۔

پہلی بات تو یہ کہ آپ اس میں اپنے ذہن کو حاضر رکھیں کہ روزہ آپ اللہ کی خوشی کے لیے رکھ رہے ہیں، نہ دکھانے کے لیے، نہ رواجاً اور نہ شرم سے کہ لوگ کہیں گے کہ یہ کیسے روزہ خور ہیں اور روزہ نہیں رکھتے ہیں بلکہ اس کا استحضار ہونا چاہیے۔ اور ایسے ہی شب قدر تک کے متعلق آتا ہے: "من قام لیلة القدر ایماناً و احتساباً غفر لهٗ ما تقدم من ذنبه" (جو شب قدر میں عبادت کرے اللہ پر یقین کرتے ہوئے، اس کے وعدوں پر یقین کرتے ہوئے اور اس کے اجر و ثواب کی لالچ میں تو اس کے سب پچھلے گناہ معاف ہو جائیں گے)۔

تو ایک بات تو یہ ہے کہ پورا استحضار ہو، اور ذرا ذہن کو تازہ کر لیا جائے کہ ہم نے یہ روزہ اللہ کے خوشی کے لیے رکھا ہے اس لیے کہ روزہ فرض ہے۔

اللہ تعالی نے رمضان میں بڑی خصوصیات رکھی ہیں، اس میں بڑی برکتیں ہیں، اس میں اللہ تعالی کی رحمت جوش میں آ جاتی ہے، پھیل جاتی ہے، اس میں بڑے بڑے گناہگاروں کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

اس لیے نیت کا استحضار ہو، شعور بیدار ہو جائے، ذہن کو ذرا تھوڑا سا اس میں حاضر کر لیجیے، اور ذہن سے یہ بات کہلوا لیجیے کہ یہ روزہ اللہ کے خوشی کے لیے رکھ رہے ہیں، رسماً، رواجاً، مصلحتاً یا کسی اور وجہ سے نہیں۔

پھر اس کے بعد اس روزے میں آپ اپنے وقت کو جتنا عبادت میں مشغول رکھ سکیں رکھیں، نوافل میں اور اس سے بڑھ کر اس میں قرآن مجید کی تلاوت، آپ کی طاقت و صحت کے مطابق اور فرصت کے مطابق، اور دنوں کے مقابل میں زیادہ ہونی چاہیے''۔